ڈاکٹر عابد سیال
فارن ایکسپرٹ (اردو)، فیکلٹی آف ایشین لینگوئجز اینڈ کلچرز،
گوانگ تانگ یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز، گوانگ زو، چین

حالؔی کا رنگِ جدید: امکانات کی دنیا

Haali is considered as the pioneer of Urdu criticism, so most of his fame is associated with his criticism and comparatively lesser as a poet. Moreover in his poetry, he is more famous for his nazm and again his ghazal is given comparatively less importance, rather he is considered to be an opponent of ghazal. But if we study Haali's ghazal, especially that part which is called Modern style of Haali, it is evident that this part has numerous characteristics of diction and stylistics which can be considered as foundation of modern Urdu ghazal. The article is an attempt to analyze Haali's modern ghazal in this context.

حالی اردو غزل کے ایسے مجتہد ہیں جنھوں نے انتہائی رچی ہوئی کلاسیکی طرز کی قربانی دے کر داخلی طور پر غزل میں امکانات کے ایسے سِرے ابھارے ہیں جن پر انیسویں صدی کے بعد کی غزل کا اسلوبیاتی ڈھانچا استوار ہے۔غزل میں ایسی تبدیلی کی ضرورت کا احساس حالی نے تخلیقی سے زیادہ شعوری سطح پر کیا۔ ان کے دیوان کا مقدمہ جو بعد میں جدید اردو غزل کی کتابِ اصول قرار پایا، داخلی سطح پر اس ساری کشمکش کا احوال ہے جو انیسویں صدی کے ہندوستان میں قدیم و جدید کی کشمکش ہے۔'خطائے بزرگاں گرفتن خطاست' کے روایتی دائرے کو توڑنے کا حوصلہ تخلیقی سطح پر تو غالبؔ نے پیدا کر لیا تھا، لیکن تجزیاتی اور شعوری سطح پر اس کا مربوط و مرتب اظہار حالؔی نے کیا۔ اس تجزیے میں مرض کی تشخیص ہی نہیں، اصلاحِ احوال کا نسخہ بھی موجود ہے۔ بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:

> ''یہ وہ زمانہ ہے جب انگریزی تمدن کی ہوائیں ہمارے سماجی اور معاشرتی اداروں کو چھو رہی تھیں۔ ہر شے میں ایک خاموش تبدیلی آ رہی تھی۔ بنگال سے نشاۃ ثانیہ کی کرن پھوٹ چکی تھی۔ مختلف زبانوں کے شعر وادب میں زندگی کی نئی لہر دوڑنے لگی تھی۔ اردو شاعری میں بھی تبدیلی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ ذہنی اجتہاد کی روح تو غالب میں ملتی ہے، لیکن اصلاح کا بیڑا غالب کے شاگرد حالی نے اٹھایا۔''(۱)

حالؔی کے ہاں سب سے پہلا ادراک تکرار کا ہے۔ یہی ادراک ان کو 'پیرویِ سلف' سے 'پیرویِ مغربی' کی طرف لے جاتا ہے۔تکرار سے ان کی اکتاہٹ کی مختلف لہریں ہیں۔کبھی یہ لہر غزل کے مضامین کی تکرار سے اکتاہٹ کی ہے اور اس کا حل وہ نیچرل شاعری کی صورت میں نکالتے ہیں؛ کبھی یہ لہر خود غزل اور قصیدے سے بطور ایک صنف کے اکتاہٹ کی ہے اور اس کا حل وہ مغربی انداز کی نظم کا چلن تجویز کرتے ہیں؛ اور کبھی یہ لہر مجموعی طور پر کارِ سخن سے ہے اور وہ شاعری

میں معنی کے دریا بہانے کو بھی ناکافی سمجھ کر کچھ اور کر کے دکھانے کی تمنا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اس مضمون کے کئی اشعار ملتے ہیں:

سخن میں پیروی کی گر سلف کی
انھی باتوں کو دہرانا پڑے گا

اب سنو حالؔی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

معنی کا تم نے حالؔی دریا اگر بہایا
یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا

غزل میں اجتہادی روش اور جدید نظم، تنقید اور سوانح نگاری میں حالی کے کارناموں کو میسرّ و موجود سے انھی اکتاہٹوں کے نتائج کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

غزل کی اصلاح سے متعلق حالی کا یہ پروگرام ہمہ جہت ہے اور سوا سو سال سے اس پر بات ہو رہی ہے۔ مگر سرِ دست ان چند سطور کا محور حالی کا مقدمہ نہیں بلکہ ان کی غزل ہے۔ ساری غزل بھی نہیں بلکہ ۱۸۷۴ء کے بعد کی غزل، جسے انھوں نے رنگِ جدید کہا ہے۔ اس غزل کے بھی سارے پہلو نہیں بلکہ صرف یہ پہلو کہ حالی نے بعض ایسے اظہارات کو پھر سے غزل کا حصہ بنانے کی کوشش کی جو حالی کے زمانے میں اعلیٰ سمجھی جانے والی مروّج غزل میں عام طور پر غزل سے باہر کی چیز سمجھے جاتے تھے۔ وہ آسانیاں اور وسعتیں جو میر و نظیر جیسے شاعروں نے بہت حد تک اردو شاعری میں داخل کر دی تھیں، بعض اوقات زبان کی صفائی اور اصلاح کے حد سے تجاوز کرتے ہوئے رجحانات کے باعث اور بعض اوقات طبقۂ اشرافیہ کے محدود و مخصوص لسانی و تہذیبی حصاروں کے ٹوٹنے کے ڈر سے آہستہ آہستہ ان کے امکانات کو پہلے موہوم اور پھر معدوم کر دیا گیا۔ اسلوب و بیان کے بہت سے اظہارات جنھیں جدید تر غزل اپنے امتیازات سمجھتی ہے، حالؔی کے ہاں ان امکانات کے نقوش خاصی ترقی یافتہ صورت میں ملتے ہیں۔

روایتی مضامین میں کسی پہلو سے تازگی پیدا کرنے کی کوشش کے حوالے سے حالی کے ہاں شیخ و واعظ سے چھیڑ چھاڑ کے مضمون کا مطالعہ زیرِ بحث موضوع سے کو سمجھنے میں معاون ہو سکتا ہے۔

امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام ہے فقیہو ! ممنوں بہت تمھارا

چھیڑ کر واعظ کو حالؔی خلد سے
بسترا کیوں اپنا پھنکواتے ہیں آپ

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

مئے مغاں کا ہے چسکا اگر بُرا اے شیخ
تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور دے لگا اے شیخ
غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا؟
تجھی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر، بتا اے شیخ!
وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں تیراک
شناوری کا یہی گُر ہے ، مرحبا اے شیخ!

قربِ حق کے لیے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور
خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد

وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ
منہ میں ان کے زباں ہے یا مقراض

ان اشعار میں پارسائی کے پردے میں ریاکاری کے حامل کردار پر طنز وظرافت کے مضامین باندھے گئے ہیں۔ اس نوع کے مضامین اردو کی کلاسیکی شاعری میں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ لیکن ان شعروں میں توجہ کی بات بعض لفظوں کا

استعمال ہے۔ یہ مضمون عام ہے لیکن لفظوں کا یہ استعمال عام نہیں۔ ''اُمت کو چھانٹ ڈالا''، ''بسترا کیوں اپنا پھنکواتے ہیں آپ''، ''اپنی جیبوں سے''، ''مئے مغاں کا ہے چسکا''، ''ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں''، ''خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے''، ''زباں ہے یا مقراض'' جیسے شعری ٹکڑے ایسے ہیں جن میں ادبی زبان کے روایتی محاورے اور روزمرہ کے بجائے عوامی محاورے کا رنگ موجود ہے۔ ''جیبوں''، ''ڈوبتوں''، ''نفلوں'' والا جمع کا قاعدہ استعمال کرنا بھی عوامی مزاج سے قریب تر ہے۔ لہٰذا ان اظہارات سے غزل کے مزاج میں وسعت اور فراخی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اشعار حالی کی غزل میں یا حالی کی معاصر غزل میں اسلوبیاتی حوالے سے اعلیٰ اشعار ہیں، لیکن اعلیٰ نہ سہی مختلف ضرور ہیں۔ اور یہ تو عام بات ہے کہ شعری اصناف کے ارتقائی مطالعے میں اچھے سے زیادہ مختلف ہونا اہمیت رکھتا ہے۔

تشبیہات اور تمثالوں کے استعمال میں بھی حالی نے غزل کے روایتی استعاروں اور اداروں سے وابستہ مظاہر کے ساتھ ساتھ روزمرہ مشاہدے کو شامل کیا ہے۔ حالی عام آدمی تھے۔ ان کی شہرت، ناموری اور عزت و تکریم میں کسی منصب یا کسی دیگر تفاخر کا حصہ نہیں۔ انھوں نے عام آدمی کی زندگی گزاری اور اپنی تخلیقی قوت سے اپنی شاعری کا جو ماحول تشکیل دیا اس میں بھی روزمرہ زندگی کے ایسے مظاہر نظر آتے ہیں جو اس عہد کی عمومی معاشرت کے عکاس ہیں۔

ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو
ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمھارا

دل کو یہ تو نے دُکھایا ہے کہ دُکھ جاتا ہے
چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دُکھایا جاتا

چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
چپکے چپکے نفسِ خائن کا کہا کرتا رہا

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
آس کھیتی کے پنپنے کی انھیں ہو یا نہ ہو

ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
کام سے کام اپنے ان کو ، گو ہو عالم نکتہ چیں
رہتے ہیں بتّیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار
کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ

ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہ جائیں
اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

مکانِ عاریتی اور لباسِ بوسیدہ
بہت ہے زندگیِ مستعار کے لائق

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ

صحرا میں کچھ بکریوں کو قصّاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اس کو سارے تمھارے آ گئے یاد احسان ہمیں

گو طبیعت سے گئے سب مادّے فاسد نکل
کم ہوئیں حاؔلی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

محمد حسن عسکری نے حالی کے اس اختصاص کو بہت اہمیت دی ہے۔ ان کے بقول:

''روز مرہ کی عام زندگی کے احساس کو ساتھ لے کر ایک رچی ہوئی غنائیت تخلیق کرنے کے سلسلے میں سر

فہرست تو میرؔ ہی کا نام آئے گا۔ لیکن عام آدمی کی عام زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں ان سے واقفیت رکھنے اور اس واقفیت کو شاعرانہ طور سے استعمال کرنے کی جیسی صلاحیت حالیؔ میں ملتی ہے ویسی میرؔ کے علاوہ کسی اور اردو شاعر میں نظر نہیں آتی۔ کم سے کم یہ مضمون لکھتے ہوئے مجھے کسی ایسے شاعر کا نام یاد نہیں آ رہا جسے اس باب میں حالیؔ پر فوقیت دی جا سکے۔ ایک نظیرؔ اکبر آبادی کا نام ضرور اس ضمن میں لیا جا سکتا ہے۔''(۲)

میرؔ و نظیرؔ کی اس روایت کو آگے بڑھانے میں حالی نے صرف شعوری ہی نہیں تخلیقی بیداری کا بھی استعمال کیا ہے۔'' ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمھارا''، ''نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح''، ''ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح''، ''رہتے ہیں بتّیس دانتوں میں زبانوں کی طرح''، ''کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ''، ''اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس''، ''شہر میں حالیؔ نے کھولی ہے دکاں سب سے الگ''، ''کم ہوئیں حالیؔ نہ لیکن نفس کی بیماریاں'' ایسے مصرعے ہیں جن کے فکر و اسلوب کا خمیر روزمرہ زندگی کے مشاہدات و تجربات سے اٹھا ہے اور جو اپنی صوتی مٹھاس، سرعتِ ابلاغ اور سماجی دانش کے حامل ہونے کے باعث نئے ہونے کے باوجود ضرب الامثال کی سی کیفیت رکھتے ہیں۔ روزمرہ محاورے کے استعمال کا سلیقہ حالیؔ کے ان اشعار میں بھی نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

ہو گی نہ قدر جان کی قرباں کیے بغیر
دام اٹھیں گے نہ جنس کو ارزاں کیے بغیر

جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالیؔ کو کوئی کام ہے درپیش

ہر بشر سے اس کی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زالِ دنیا سے مگر
رہزنِ دل ہیں ابھی اس کی ادائیں خاص خاص

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

آنکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مندی
اس میں مسلم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی

کاہشوں سے پرورش پاتی ہے روح
اب لگا کھایا پیا سب آ کے انگ

سپاہ و میرِ سپہ باغ باغ ہیں لیکن
بہیر روتی ہے اور ہاتھ مَلتی جاتی ہے

دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غمِ عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالؔی
کہتے پہلے سے تو دے لے کے ہٹایا جاتا

ان اشعار میں محاوروں کا استعمال ایسا ہے جو شعر کے مضمون کا لازمی حصہ بن کا سامنے آتا ہے اور شعر کا فنی پہلو اپنی پختگی اور برجستگی کے باوجود اس کے فکری پہلو سے متجاوز ہو کر خود کو اتنا نمایاں نہیں کرتا کہ شعر کا مقصود بنتا ہوا نظر آئے۔ افتخار احمد صدیقی کے لفظوں میں انھوں نے ''صنعت گری اور محاورہ بندی کی بدمذاقیاں دور کر کے لفظ و معنی میں جسم و جان کا رشتہ قائم کیا۔'' (۳) زبان کے استعمال کا یہ سلیقہ جس میں زبان نمائشی و آرائشی پہناوے کے بجائے فکر و خیال کی فطری ترسیل کا وسیلہ بنتی ہے اور اپنے نازک ترین اور ارفع ترین استعمال میں بھی فکر سے ایک قدم پیچھے چلتی ہے، حالؔی نے غالب کی قربت میں رہ کر سیکھا اور ایسے مضامین پر اس کا اطلاق کیا جو غالب کے فکری علاقے سے باہر کے ہیں۔ لہٰذا اپنے سے بہتر معاصر شاعروں کی موجودگی کے باوجود حالؔی کی شاعری اپنے عہد میں اپنا امتیاز قائم کرتی ہے۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی کے لفظوں میں:

''جدید اردو شاعری کے لیے حالی کی شخصیت ایک انقلابی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے یہاں قدیم روایات کا احترام بھی ملتا ہے اور نئی اقدار کی تشکیل بھی۔ وہ غزل کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے بغاوت بھی کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی غزلوں میں روایتی اور تخلیقی دونوں عناصر ہیں۔ حالی ایک جچا تلا ذہن اور دماغ رکھتے تھے۔ ان کی جچی تلی نکتہ سنجی اور متوازن کیفیت قدیم اور جدید غزلوں دونوں جگہ نظر آتی ہے۔''(۴)

حالی کے یہ دو شعر دیکھیے جن میں محاورے کا استعمال ایسا ہے کہ ان کی جگہ اردو غزل کے لازوال شعروں میں بنتی ہے:

دو چار گام نقشِ قدم مل کے رہ گئے
آگے چلا نہ آہوئے مشکیں کا کچھ سراغ

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو
ورق جب اس کا اُڑا لے گئی ہَوا ایک ایک

زبان کی وسعت کے حوالے سے حالی نے بعض لفظوں میں عمدہ تصرف بھی کیا ہے:

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار
پر ڈرانی ہے بہت آج بھنور کی صورت

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

دل میں ہے اے خضر ، گر صدقِ طلب
راہرو کو رہنموں سے کیا غرض

یہاں ''ڈراؤنی'' کے بجائے ''ڈرانی''، کھنڈروں کا عوامی تلفظ اور ''رہنماؤں'' کے بجائے ''رہنموں'' شاعری کے لسانی امکانات کے زبردست اشارے ہیں۔ لفظ کا اس کے مروج دائرے سے باہر نکل کر آزادانہ استعمال شاعر کی شعری قوت کا غماز ہوتا ہے۔ لازم نہیں کہ ہر مرتبہ اسے کامیابی ہو اور وہ لفظ کی کوئی ایسی صورت وضع کر پائے جو چل پڑنے کی سکت رکھتی ہو،لیکن تجربہ کرنا دراصل امکانات کی تلاش ہے۔ حالؔی نے یہ کام بے خوفی سے کیا ہے اور بعد کے شاعروں کو مثال فراہم کی ہے۔

اب حالؔی کی چند شعر اور غزلیں دیکھتے ہیں جن میں قافیے و ردیف اور بعض الفاظ و اظہارات کا استعمال لائق توجہ ہے۔ ان غزلوں اور اشعار کو اس تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ آج کی جدید تر غزل کی ایک رَو غیر متوقع قافیے اور عُجب کے حامل اظہار کا جلی یا خفی طور پر کارنامہ سمجھتی ہے۔ حالؔی کے ہاں ان اظہارات کے رچاؤ پر نظر ڈالتے ہوئے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صدی ڈیڑھ صدی پہلے کی شاعری ہے:

صلح ہے اک مہلتِ سامانِ جنگ
کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
علم کیا ، اخلاق کیا ، ہتھیار کیا
سب بشر کو مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ
زہد و طاعت پر جوانو کی نہ جاؤ
یہ بھی ہے اک نوجوانی کی ترنگ
کاہشوں سے پرورش پاتی ہے روح
اب لگا کھایا پیا سب آ کے انگ

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رخنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں
کی نصیحت بُری طرح ناصح
اور اک بِس ملا دیا بِس میں
بے قدم دم ہیں خانقاہوں میں
بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اِس میں
جانور ، آدمی ، فرشتہ ، خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قِسمیں

تلخیِ دوراں کے ہیں سب شکوہ سنج
یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
تھا قناعت میں نہاں گنجِ فراغ
پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ گنج
فکر و سِن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ
ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
جب کبھی جیتے تھے ہم ، اے بذلہ سنج!
آ گئی مرگِ طبیعی ہم کو یاد
شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج
راہ اب سیدھی ہے حالؔی سُوئے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار
پر نہیں زاہد کوئی ٹٹّی کی آڑ
بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی
ان دنوں کم تر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

باپ کا ہے جبھی پسر وارث
ہو ہنر کا بھی اس کے گر وارث
گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا
تیرا ہے کون اے ہنر وارث

فاتحہ ہو کہاں سے میّت کی
لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث
ہوں اگر ذوقِ کسب سے آگاہ
کریں میراث سے حذر وارث
واعظو! دین کا خدا حافظ
انبیاء کے ہو تم اگر وارث
ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف
جیسے مردے کے مال پر وارث
ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالؔی
کیوں ہے میّت پہ نوحہ گر وارث

وہی لے گئے یاں سے زادِ سفر
گئے جھاڑ جو اپنی ہمیانیاں
جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام
جہاں داریاں اور جہاں بانیاں
ڈبوتی ہیں آخر کو منجدھار میں
یہ فرعونیاں اور ہامانیاں

زیرِ برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سُو تماشائی بہت

رائے ہے کچھ علیل سی تیری
نبض اپنی بھی دیکھ اے نبّاض

اے غمِ دوست تجھی پر نہیں اپنی گزران
کچھ فتوح اس کے سوا اور ہے بالائی بھی

ان اشعار کے لہجے اور برتاوے کو آس پاس کی غزل کے ایک خاص انداز کے پیش رَو اسلوب کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ حالؔی کی شاعری ''قدیم اور جدید کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے، انہوں نے بعض قدیم روایتوں کو چھوڑ کر شعر کی نئی وادیوں میں قدم رکھا، انہوں نے پرانی تربیت کو نئے مواد زندگی کا خادم بنایا اور ایک نئے ذوق شعری کو جنم دیا۔''(۵) حالؔی کے اسلوبِ غزل کے مختلف ذائقوں نے نہ صرف ان کے معاصرین اور فوراً بعد کے شاعروں کے متاثر کیا بلکہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالؔی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

حواشی وحوالہ جات

۱۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو غزل اور ہندستانی ذہن وتہذیب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص۲۲۴، ۲۲۵

۲۔ محمد حسن عسکری، مجموعہ محمد حسن عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۱۲۳

۳۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر (مرتب)، دیباچہ کلیات نظم حالی، جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل ۱۹۶۸ء، ص۴۶

۴۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخِ جدید اردو غزل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص۱۹۰

۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ولی سے اقبال تک، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۲۵۸، ۲۵۹